سواسوسال کی کہانی

کرشن پرویز
کھرڑ، ضلع موہالی (پنجاب)۔140301

آج ہماری سرکار تعلیم کو روزگار کے ساتھ جوڑنے کی باتیں کر رہی ہے اور ایسے اقدامات اور اسکیمیں بنا رہی ہے کہ ہر سال لاکھوں بچے تعلیم حاصل کر کے بے روزگاروں کی فوج میں اضافہ نہ کریں اور بچے تعلیم حاصل کر کے ملک، قوم اور والدین پر بوجھ نہ بنیں بلکہ کوئی کام دھندہ شروع کر کے اپنے پیروں پر کھڑے ہو جائیں اور خود کفیل بنیں۔

آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ آج سے سوا سو سال پہلے پنجاب کی سب سے بڑی تحصیل کھرڑ میں کھلے ایک اسکول نے اس بات کو محسوس کیا تھا اور اسّی سال پہلے تعلیم کو روزگار سے جوڑنے کے لیے قدم اُٹھائے تھے۔اس اسکول کا نام ہے کرسچن ہائی اسکول جو چنڈی گڑھ سے روپڑ لدھیانہ جانے والے نیشنل ہائی وے نمبر ۲۱ پر لبِ سڑک واقع ہے۔

۱۸۹۱ء میں کرسچن اسکول پرائمری اسکول کی شکل میں شروع ہوا تھا۔۱۹۰۱ء میں اس میں انگریزی شروع ہوئی اور علاقے کا پہلا اینگلو انڈین اسکول بنا۔۱۹۱۱ء میں پہلی بار میٹرک کا امتحان ہوا اور شہاب الدین نام کے طالب علم نے ۳۶۰ نمبر لے کر علاقے میں اپنا نام کیا اور آنر بورڈ پر نام لکھوایا۔

کرسچن اسکول کو دو باتیں اسے دوسروں سے اہم بناتی ہیں۔ پہلی تو یہ کہ اسکول میں بچوں کو پڑھائی کے ساتھ ساتھ دستکاری بھی سکھائی جاتی تھی، دوسری یہ کہ پنجاب ایک زراعتی صوبہ ہے۔ اسکول میں بچوں کو زراعت کے بارے نہ صرف کتابی بلکہ عملی طور پر بھی (اس کے دو فارم ہاؤس تھے) سکھایا جاتا تھا، اسکول کے اندر آنے جانے والے راستوں پر اسکول کے ارد گرد اسکول کی چار دیواری کے ساتھ ساتھ تین فٹ چار فٹ کی کیاریاں بنا کر موسم کے حساب سے پھول بوئے جاتے تھے۔ بچے ہی سارا کام بوائی، تلائی، گڈائی پانی دینے کا کام زراعت کی گھنٹی میں بھی کرتے تھے۔

اسکول میں سکھائی جانے والے دستکاریوں میں چمڑے کے بڑے پرس بنانا، درزی کا کام، بڑھئی کا کام، بانس کی تیلیوں کی چکیں بنانا، صابن بنانا، جلد سازی، ابری بنانا، بوٹ پالش بنانا، مٹی کے کھلونے بنانا، پینٹنگ اور پھولوں کی کاشت جیسے کام

استاد صاحبان کی دیکھ ریکھ میں بچے سیکھتے تھے۔

یہ پنجاب کا پہلا اسکول تھا جہاں پنچایت سسٹم ۱۹۴۰ء میں شروع ہوگیا تھا۔ ہر کلاس کی اپنی پنچایت اور پھر سارے اسکول کے طلبا اسکول کی پنچایت ووٹوں سے چنتے تھے۔ یہ پنچایت سارا سال کام کرتی تھی۔ بچوں کے جھگڑے، کلاس روم کے رکھ رکھاؤ، صفائی وغیرہ کا سارا کام پنچایت کے ذمہ ہوتا تھا۔ پانچویں سے لے کر دسویں تک کے بچّے چار گروپوں میں بٹے ہوئے تھے جن کے نام تھے ریڈ ہاؤس، گرین ہاؤس، بلیو ہاؤس، یلو ہاؤس۔ ہر سنیچر کو ایک گھنٹہ بچے اپنے اپنے ہاؤس میں جاکر تفریحی پروگرام کرتے، گیت، غزل گاتے، کہانی سناتے۔ دو تین مہینے بعد ان ہاؤسوں کا آپسی مقابلہ تفریحی اور کھیلوں کا ہوتا تھا اور جیتنے والے ہاؤس کو ٹرافی دی جاتی تھی۔

اسکول میں ہر سال فروری کے مہینے میں یوم والدین منایا جاتا تھا اور نمائش لگائی جاتی تھی جس میں بچے اپنے بہترین کام کو نمائش کے لیے رکھتے تھے۔ جج صاحبان کی ایک ٹیم بچوں کی بنائی ہوئی چیزوں کو دیکھ کر اوّل، دوم اور سوئم انعامات دیتی تھی۔ یہ نمائش تین دن چلتی تھی جس میں شہر کے لوگوں کے علاوہ بچوں کے ماں باپ اور رشتے دار بھی آتے تھے۔ آخری دن رنگا رنگ پروگرام ہوتا تھا اور والدین کی موجودگی میں بچوں کو انعامات تقسیم کیے جاتے تھے۔ اس کے علاوہ بہترین کلاس پنچایت بہترین اسکاوٹ اور اسکول میں سب سے زیادہ حاضر رہنے والے بچے کو بھی سرٹیفکیٹ دیے جاتے تھے۔

اسکول کا اپنا پرنٹنگ پریس تھا جس میں اسکول کے بچوں کے لیے ایک رسالہ اسکول جرنل نکلتا تھا جس میں بچے اپنی اپنی کہانیاں، گیت، غزل، نظم دیتے تھے۔ اسکول کے استاد صاحبان جناب ہنسراج برہمی، ماسٹر پنّا لعل جین اور پنڈت رام گوپال وغیرہ ان کی تخلیقات میں مناسب ردّ و بدل کرکے اسکول جرنل میں شائع کرتے تھے۔ جناب ہنسراج برہمی نے بچوں کے لیے چھوٹی چھوٹی نظمیں لکھی تھیں جو ہندی اردو دونوں زبانوں میں شائع ہوئی تھیں جن کا پیش لفظ اس وقت کے پنجاب کے گورنر شری این دی گیڈگل نے لکھا تھا اور ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی تھی اس کتاب پر برہمی جی کو گورنر نے انعام سے بھی سرفراز کیا تھا۔ اسکول میں صبح دعا کے وقت بچوں کو ایک کتاب کلاس کا مانیٹر دیتا تھا جس میں مختلف شعرا کا کلام، گیت، نظمیں جو دُعا کے لیے لکھی ہوتی تھیں اور اسکول مانیٹر بلند آواز میں کہتا تھا کہ آج فلاں نمبر کی دعا مانگی جائے گی (اسی کتاب میں جب لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنا میری۔ مجھے اے خدا نیک لڑکا بنانا۔ آتے ہیں تیرے در پر ہم میں تعمیری اور اخلاقی

نظمیں شامل تھیں)

اسکول کی وردی آج کی طرح قیمتی نہیں تھی خاکی قمیص، خاکی نیکر، سفید کپڑ کے بوٹ، سردیوں میں خاکی نیکر قمیص کی جیب پر اسکول کا بیج لگایا جاتا تھا جس پر جلتی مشعل کے دونوں طرف نور اور سچائی (Light of Truth) بنا ہوا تھا۔ آس پاس کے دیہات سے آنے والے بچوں کو پہلے دو سال انگریزی سکھائی جاتی تھی اس کے بعد انھیں نویں کلاس میں داخلہ ملتا تھا۔ اس اسکول کی اہمیت اس لیے بھی بڑھ گئی تھی کہ یہاں استاد صاحبان کی ٹریننگ کے لیے الگ سے انتظام تھا۔ پنجاب میں گورداسپور، امرتسر سے لے کر گڑگاؤں، روہتک (اب ہریانہ میں) کے بچے بھی تعلیم حاصل کرنے یہاں آتے تھے۔ اسکول کا اپنا بورڈنگ ہاؤس اور رسوئی گھر تھا۔

ہر سال اسکولوں سے لاکھوں بچے تعلیم حاصل کر کے زندگی کی دوڑ میں شامل ہو جاتے ہیں۔ کئی اعلیٰ عہدوں تک پہنچتے ہیں، مگر ان میں سے کتنے بچے اپنے اسکول کو یاد رکھتے ہیں یہ آپ دیکھیں، مگر اسی اسکول کے دو بچوں نے اپنے اسکول کو یاد رکھا اور اسکول کو نئی زندگی دی۔ سب سے پہلے شری تیج پال وشسٹ جو ۱۹۴۹ء میں ۷۰۳ نمبر لے کر میٹرک میں اوّل آئے تھے بعد میں انگلینڈ چلے گئے اور وہیں بس گئے، مگر ۱۹۹۵ء میں اپنے گاؤں ملاں پور غریب داس (چنڈی گڑھ کے پاس) آئے تو اسکول کی بلڈنگ کی خستہ حالت دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ انھوں نے اسکول کی انتظامیہ سے بات کی اور مدد کا بھروسہ دلایا، مگر قدرت کو ان کے ہاتھوں یہ کام ہونا منظور نہیں تھا واپس انگلینڈ جا کر وہ بیمار ہو گئے اور وفات پا گئے، مگر انھوں نے اپنی خواہش کا اظہار اپنے بیٹے اور بیوی سے کر دیا تھا۔ تو ان کی وفات کے بعد بیوی اور بیٹا کھرڑ آئے اور اسکول کی بلڈنگ کی چھتیں وغیرہ بدلوائیں اور اسکول کو نئی زندگی دی۔ اسی طرح اس اسکول کے ایک دوسرے طالب علم وہ بھی ملاں پور کے رہنے والے تھے نے گاؤں کے اسکول کو جو کہ گاؤں میں چھوٹی سی بلڈنگ میں تھا پنچایت کی مدد سے گاؤں کی شاملات زمین لے کر دو منزلہ عمارت بنوائی جس کے پاس کھلا میدان بھی ہے یہ بھی لبِ سڑک (جو چنڈی گڑھ پی جی آئی سے کورال روپڑ کو جاتی ہے) واقع ہے اس کا افتتاح پنجاب کے وزیر اعلیٰ کیپٹن امریندر سنگھ کے ہاتھوں ہوا تھا۔ اس لیے آپ سے بھی اُمید رکھوں گا کہ آپ بھی اپنے اسکول اور استاد صاحبان کو یاد رکھیں، ان کی تعظیم کریں کیونکہ ان کی بدولت ہی آپ لوگ زندگی کی دوڑ میں دوڑنے کے قابل بنے ہیں۔

□□□